آزادیٔ افکار

احمد جاوید

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

جو دونی فطرت سے نہیں لائق پرواز
اس مرغک بیچارہ کا انجام ہے افتاد
ہر سینہ نشیمن نہیں جبریل امیں کا
ہر فکر نہیں طائر فردوس کا صیاد
اس قوم میں ہے شوخی اندیشہ خطرناک
جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد
گو فکر خداداد سے روشن ہے زمانہ
آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد

☆

اقبال کے بنیادی تصورات کی تشکیل میں ان کے اندر کا شاعر بھی برابر کا شریک تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تصور انسان میں ایسے سوالات بھی اٹھائے اور حل کیے گئے ہیں جو محض علمی اور منطقی نہیں ہیں بلکہ اس تخلیقی ذہن کی پیداوار ہیں جو زندگی کے وہ معانی دریافت اور ایجاد کرتا ہے جو تعقل اور استدلال کی گرفت سے باہر ہیں ' مگر ان کی presence اتنی حقیقی بلکہ وہی ہے کہ عقل اس کا اثبات کیے بغیر اپنے حدود رسائی کا ٹھیک سے تعین نہیں کر سکتی ۔ اس مختصر سی نظم میں بھی ایک ایسے ہی سوال کا جواب فراہم کیا گیا ہے کہ ذہن انسانی کی عقلی اور تخلیقی فعلیت ' اور اس کے حدود و شرائط کیا ہیں ' یعنی بالفاظ دیگر انسان کے وجودی مراتب اور ان میں پائے جانے والے تفاوت کے زیر اثر انسانی فکر

میں جواونچ نیچ در آتی ہے ' اسے ہموار کرنے کا وہ ذریعہ کیسے میسر آئے جو ماہیت فکر سے متصادم ہوئے بغیر اس کی غایت کو از سرِ نو متعین کر دے ۔

ان اشعار میں ' جو آزادی فکر کے جذباتی مطالبے کے رد میں لکھے گئے ہیں ' اقبال نے فکر کے تین سرچشمے بتائے ہیں: طبیعت ' ذہن اور قلب ۔ گویا فکر کو پورے آدمی کے سیاق و سباق میں دیکھا گیا ہے اور اس کے تینوں اسالیب کا احاطہ کیا گیا ہے : میکانکی ' تخلیقی اور روحانی ۔ اس طرح انسان کا پورا داخلی و خارجی ' بلکہ صحیح لفظوں میں ' انفسی و آفاقی ماحول بھی حوالے میں آ گیا ہے جس سے صرف نظر کر کے اس کے بارے میں کوئی با معنی بات نہیں کہی جا سکتی ۔

گفتگو کو اس نظم کی تشریح تک محدود رکھنے کے لیے بہتر ہو گا کہ ہم شعر بہ شعر آگے بڑھیں ۔ پہلے شعر میں جدید آدمی کو اس کی نفسیاتی کلیت کے ساتھ تصور کر کے یہ دکھایا گیا ہے کہ وہ نفس کی کس سطح پر کھڑا ہے ۔ نفس کے دو اصول ہیں : فعل اور انفعال ۔ بلحاظ فعل ' نفس ذہن ہے اور باعتبار انفعال ' طبیعت ۔ اس شعر میں فطرت کا مطلب ہے طبیعت ۔۔۔ نفس میں خرابی عام طور پر اس توازن میں بگاڑ آنے سے پیدا ہوتی ہے جو انفس و آفاق یا انسان اور دنیا کے درمیان structurally موجود ہے اور انہیں فرق مراتب کے ساتھ باہم مربوط اور ہم آہنگ رکھتا ہے ۔

اس شعر میں "دونی فطرت" کی ترکیب خاصی معنی خیز ہے ۔ دنیا کو بھی دنیائے دوں کہا جاتا ہے ۔ اس حوالے سے دونی فطرت ' نفس ' خصوصاً " ' طبیعت کی وہ پستی ہے جو دنیا یعنی زندگی کے تحت انسانی سطح کو قبول کر لینے سے پیدا ہوتی ہے ۔ یہ وہ ابتلا ہے جو انسان کو انسانیت سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دیتی ہے اور اس کی ذہنیت ' افتادِ طبع اور ذوق کو اس قدر بدل ڈالتی ہے کہ ہستی اور شعور کے انسانی معیارات ایسے غائب ہو جاتے ہیں کہ ان کا نشان تک نہیں رہتا ۔ وجود انسانی ' صورت میں حرکت ہے اور معنی میں بلندی ۔ اس کی حرکت اسے وقت کی رفتار سے ایک پیش قدمی کے ساتھ ہم آہنگ رکھتی ہے اور اس کے وجودی دوران کو زمانے کی گردش کے تابع نہیں ہونے دیتی ۔ اسی طرح بلندی انسان کو مکان سے متعلق رکھتی ہے مگر غلبے اور آزادی کے ساتھ ۔ یہ انسان کی وہ مکانیت ہے جو space کے قابل پیمائش حدود میں نہیں سماتی ۔ دنیا کا طبیعت میں سرایت کر کے زندگی کا بنیادی رویہ بن جانا ' یعنی " دونی فطرت " ایسی چیز ہے جو حرکت و بلندی کے اس لازمی اقتضا کو فنا کر کے ' جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے ' انسان کو انسان رہنے کے قابل نہیں چھوڑتی ۔ یہاں اقبال کی قدرت کلام کی بھی داد دیجیے کہ انہوں نے اس ساری صورت حال کو ایک لفظ میں بند کر کے بیان کر دیا : " مرغک بیچارہ " یعنی وہ پرندہ جو پرندہ نہیں بن پایا ۔ دیکھنے میں پرندہ لگتا ہے ' پرندوں کی نسل میں پیدا ہوا لیکن پرندہ

ہے نہیں ۔۔۔۔

دوسرے شعر میں انسان کی روحانی ' فکری اور جمالیاتی سطح کو زیر نظر لایا گیا ہے ۔ یہاں بتایا گیا ہے کہ نفسیاتی اور طبعی ساخت میں پائے جانے والے نوعی عموم کے برعکس یہاں انفرادی اختصاص کار فرما ہے ۔ ہر آدمی حق اور جمال تک پہنچنے کی استعداد نہیں رکھتا ۔ صورت و معنی کی وہ وحدت جو صورت کی جہت سے جمال ہے اور معنی کی جہت سے حق ' ہر آنکھ اور ہر دل پر منکشف نہیں ہوتی ۔ قلبی واردات ہوں یا تخلیقی تخیل ' اس روح اور اس عقل کو نصیب ہوتے ہیں جو " جذب خاک " یعنی دنیا اور شخصی انا کے تنگ دائروں میں گھٹ کر نہ رہ گئی ہو ۔

پہلے دو شعروں میں جدید آدمی کو اس کی اوقات یاد دلانے کے بعد اقبال اسے ایک فیصلے تک پہنچاتے ہیں جس سے اس ذہن کے لیے ایک حتمی کردار متعین ہو جاتا ہے جو ذوق اور تخیل کے فساد کی وجہ سے اپنی اصلیت سے منقطع ہو چکا ہے ۔

" شوخی اندیشہ " یعنی فکری آزادی یقیناً" ذہن انسانی کی بنیادی ضرورت ہے ' لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ان قوانین کے اندر رہے جن سے خود فکر کی ماہیت اور حقیقی فعلیت کا تحفظ ہوتا ہے ۔ آزادی ' خواہ کسی قسم کی ہو ' ہستی کے منظرنامے میں معنی کو صورت پر غالب کرنے کے لیے ہے اور اس کے ذریعے سے انسان اپنے واسطے اس تحدید کو قبول کرنے اور برقرار رکھنے کی قوت فراہم کرتا ہے جو وجود اور شعور وجود کو دو لخت نہیں ہونے دیتی ۔ آزادی فکر یقیناً" بہت اہم چیز ہے کیونکہ اس کی مدد سے انسان وقت کے سیل تغیر پر قابو پاتا ہے جو اس کی حقیقت اور غایت کے بیچ میں ہر آن ایک نئی روک کھڑی کر دیتا ہے ' جسے اگر گرایا نہ جائے تو حقیقت گم ہو جاتی ہے اور غایت اوجھل ۔۔ گویا فکر کی آزادی وقت پر غلبے سے مشروط ہے جسے حاصل کر کے آدمی اپنے "عقائد " کو تغیر کی زد میں آنے سے محفوظ رکھتا ہے ۔ یہاں عقائد سے وہ اصول اثبات مراد ہیں جن سے عقل ' ذہن اور فکر کی ماہیت اور فطرت عبارت ہے ۔

آج فکر کی آزادی کا مطلب ہے انکار ' لا محدود انکار کی آزادی ۔ انکار اصل کے اثبات کی ایک فرع کے طور پر بروے عمل آئے تو ایک نہایت مفید ' ضروری اور با معنی عمل ہے ' لیکن اگر اس کا رخ وجود کے بلند تر مراتب کی طرف ہو جائے تو یہ انسانی نہیں رہتا ۔ فکر انسانی اپنے جوہر میں اس کی متحمل نہیں ہو سکتی ۔ فکر معلوم کی مدد سے نا معلوم تک پہنچتی ہے ۔ یہ عمل اس وقت ممکن ہے جب معلوم اور نا معلوم باعتبار ماہیت ایک ہوں ۔ اگر ان کی ماہیت مختلف ہو تو فکر کا کردار ختم ہو جاتا ہے اس لیے آزادی ہو یا غلامی ' فکر کا دائرۂ کار جہان تغیر یعنی اس کائنات تک محدود ہے ۔ یہاں بہر حال اسے آزاد ہی ہونا چاہیے لیکن اس سے تجاوز کر کے مابعد الطبیعی امور میں اسے دخیل کرنا اور اس کی

آزادی کا مطالبہ کرنا ' ایک لغو و بے معنی حرکت ہے ۔ ابلیس نے بھی اسی طرح کی حرکت کی تھی کہ رائے کو حکم پر غالب کر دیا ۔

چونکہ اس نظم کا پورا مضمون آخری شعر میں سمٹ آیا ہے ' لہٰذا اس کی شرح میں قدرے تفصیل سے کام لینا ہو گا ۔

بیسویں صدی تجربیت اور جمہوریت کی صدی تھی ۔ یہ صدی انسانی تاریخ میں اس لحاظ سے ایک فیصلہ کن اہمیت رکھتی ہے کہ اس میں آدمی نے پہلی بار وہ کل دریافت یا ایجاد کیا جس کی بنیاد پر انسان اور کائنات وجود کی معنوی سطح پر بھی ہم آہنگ ہو گئے ۔ اس ہم آہنگی نے ایک طرف تو تعبیر کائنات کے عمل میں سے اس ذہن کو خارج کر دیا جو حقیقت کا متلاشی یا اثبات کنندہ تھا ' اور دوسری جانب انسان کے لیے ایسے وجودی حدود مقرر کر دیے جو کائنات سے اخذ کیے گئے تھے اور عالم حقائق تک پہنچنے کی کوئی بھی کوشش انہیں پھلانگے بغیر ممکن نہیں ۔۔۔۔ اور انہیں پھلانگنے کا مطلب ہے: غیر موجود ہو جانا ۔۔۔۔ اس پورے عمل کا ایک ہی نتیجہ نکل سکتا تھا ' جو نکلا بھی کہ صورت ہی حقیقی ہے ' معنی محض اضافی ہے ۔۔۔ یعنی صورت کی حیثیت معنی کے پڑاؤ کی نہیں ہے بلکہ خود معنی ' صورت کا وہ وصف ہے جو ذہن اس سے منسوب کرتا ہے ۔

صورت چونکہ تعمیم کی متقاضی ہے لہٰذا اس صورت اساسی نے شعور و عمل کے لیے دو اصول تشکیل دیے جو ایک دوسرے کی توسیع و تکمیل کرتے ہیں ۔ تجربیت ذہن کے لیے اور جمہوریت ارادے کے لیے ۔ بظاہر یوں لگتا ہے کہ تجربیت اور جمہوریت کے یہ دونوں پہیے جن پر بیسویں صدی کا رتھ روانی کے ساتھ چلتا رہا تھا ' مخالف سمتوں میں گردش کرتے ہیں ۔ تجربیت فرد کو انفرادیت سے دست بردار ہونے پر مجبور کرتی ہے جبکہ جمہوریت جس اجتماعیت کے خدوخال تیار کرتی ہے ' وہ دراصل انفرادیت ہی کی توسیع ہے ۔ لیکن ایسا نہیں ہے ۔ انفرادیت ' اجتماعیت وغیرہ آج بے معنی الفاظ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے ۔ اب تو بس یہ ہے کہ انسان بھی کائنات میں پڑی ہوئی بے شمار اشیا میں سے ایک شے ہے جسے اپنا شے ہونا معلوم ہے یا معلوم ہونا چاہیے ' اور جو شے کی طرح عمل کر سکتا ہے ' اگر نہیں کرتا تو کرنا چاہیے ' ورنہ اپنی ہستی کا جواز گم کر بیٹھے گا ۔

اس ہمہ گیر اور اٹل رویے کا انسانی زندگی کے عمومی دائروں میں اسی طرح اظہار ہو سکتا تھا کہ انسان اپنے تمام وجودی اور علمی امتیازات کو تج کر باہر کی دنیا اور اس کے قوانین سے ایسی سازگاری پیدا کر لے کہ وہ مغائرت ہی معدوم ہو جائے جو اسے کائنات سے ایک ضروری فاصلے پر رکھتی تھی ' اور جس کی بنیاد پر انسان کی ہر فکری و عملی سرگرمی کا ہدف کائنات ' یا زیادہ واضح کر کے کہیں تو دنیا کو محیط تو ہو سکتا تھا مگر اس میں محبوس نہیں ۔ تجربیت ہو یا جدید جمہوریت ' دونوں آدمی کی لا محدود آزادی کے دعوے پر

قائم ہیں ، مگر یہ لا محدود آزادی قید خانے میں فراہم کی گئی ہے مثلاً" فکر کی آزادی کو ایک بنیادی اور لازمی انسانی قدر بنا کر اس سے جن چیزوں کے حصول کی ضمانت دی جاتی ہے ، وہ اپنی ماہیت میں ایسی نہیں ہیں کہ انسان کا مقصود اعلیٰ بن سکیں ، یعنی آزادی فکر جو در اصل انکار کی آزادی کا نام ہے ، جن اہداف تک رسائی کے لیے درکار ہے ، ان میں سے اکثر اول تو انسان کے فطری نظام فکر و عمل سے عدم مناسبت رکھتے ہیں اور پھر ان کا وجودی سیاق و سباق بھی ایسا نہیں کہ انسانی موجودیت کی فضا میں کوئی بگاڑ پیدا کیے بغیر کھپ سکے ۔

جدید آدمی جہاں پہنچنا چاہتا ہے ، وہ جگہ صرف آسمان ہی سے آزاد نہیں ہے بلکہ زمین سے بھی محروم ہے ۔ دین اور مابعدالطبیعی حقائق کی گرفت سے نکلنے کے لیے جس آزادی فکر کا سہارا لیا جا رہا ہے ، اس کا نتیجہ غلامی کی بدترین شکل ہی میں نکل سکتا ہے ۔۔ اور وہ ہے دنیا کی غلامی ۔۔۔۔ اخلاقی نہیں ، بلکہ وجودی معنی میں۔

---

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

دانش

رایزنی فرهنگی جمهوری اسلامی ایران اسلام‌آباد کاسه ماهی فارسی اردو تحقیقی مجله

- ایران میں فارسی زبان و ادب کے جدید رجحانات ۔
- برصغیر پاکستان و ہند میں فارسی ادب اور ایران شناسی پر تحقیق کی رفتار۔
- ایران اور برصغیر میں فارسی ادبیات سے متعلق شائع ہونے والی کتب پر نقد و نظر ۔
- اور ایران و برصغیر کے ثقافتی اشتراکات کے بارے میں مقالات شائع کرتا ہے ۔

رایزنی فرهنگی جمهوری اسلامی ایران

مکان ۲۵ ، گلی ۲۷ ، ایف ۲/۶ ۔ اسلام‌آباد (پاکستان)

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
2002-2006